© rasailojaraid.com

فلسفہ کیا ہے؟

(۳)

از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی۔ پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

فلسفیانہ نقطۂ نظر کی ضرورت

سچ تو یہ ہے کہ آج سے دو ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے ارسطو نے اس بحث کا تصفیہ کر دیا تھا کہ آیا ہم فلسفے کا مطالعہ کریں یا نہ کریں، اس نے کہا تھا کہ "ہم فلسفیانہ غور و فکر کرنا چاہیں یا نہ چاہیں، ہمیں فلسفیانہ غور و فکر کرنا تو ضرور پڑتا ہے"۔ شوپنہور نے انسان کی طبیعت کا پتہ لگا کر اسی لئے کہا تھا کہ انسان "مابعد الطبیعاتی حیوانی ہے"۔ اڈون والس نے نہایت عقلمندی سے کہا تھا کہ "ہر شخص خواہ شعوری طور پر ہو یا غیر شعوری طور پر فرد و کائنات کے رشتۂ باہمی کے متعلق کوئی نہ کوئی نظریہ ضرور قائم کر لیتا ہے اور اسی پر اس کی ساری زندگی و عمل کا انحصار ہوتا ہے"۔ اسی خیال کو پاولسن نے یوں ادا کیا ہے کہ ہر شخص کا فلسفہ ہوتا ہے عہد فطرت میں بسنے والے وحشی کا بھی فلسفہ ہوتا ہے اور یہی اس کے اعمال و کردار کا مرکز ہوتا ہے! اور اسی معنی کے لحاظ سے جسٹرٹن کہتا ہے کہ "آدمی میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ عملی چیز کائنات کے متعلق اس کا نقطۂ نظر ہے" یعنی اس کا فلسفہ!

آپ نے اوپر دیکھا تھا کہ فلسفی کائنات کی ماہیت و غایت کے متعلق ایک نظریہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ عالم سائنس کی کمی علم کی تکمیل کیفی علم سے کرنا چاہتا ہے اس کو چند ایسے مفروضات تسلیم کرنا پڑتے ہیں جن کی تصدیق بالکلیہ تجربہ و مشاہدہ و اختبار سے نہیں ہو سکتی۔ حواس جن چیزوں کی شہادت دیتے ہیں اُن کی تکمیل وہ تخیل یا وجدان سے کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی مرضی یا ارادے ہی سے ایسا کرے بلکہ بقول ارسطو خواہ مخواہ اس کو کرنا ہی پڑتا ہے، وہ کانٹ کی طرح اپنے کو "ایجابی" کہہ سکتا ہے اور احتجاج کر سکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ صرف واقعات ہی کی حد تک محدود رہنا چاہتا ہے۔ یا اسپنسر کی طرح وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ "لاادری" ہے، اور اسلئے کماحقہ علم سے ناواقف، لیکن وہ ان احتجاجات کے باوجود چند مفروضات کو تسلیم کرتا ہے اور خواہ مخواہ فلسفی ضرور ہے، وانّ ھذا الشئ عجاب! بڑے سے بڑا "لاادری" بڑے سے بڑا شکی، باارتیابی اپنے عقائد و افکار مخفی نہیں رکھ سکتا، اس کو زندگی کے کارزار میں جانب داری کرنی پڑتی ہے۔ باوجود ایجابیت و لاادریت کی لن ترانیوں کے، باوجود ماورائی شان سے اس امر کا یقین دلانے کے کہ حقیقت ناقابلِ علم ہے اس کو زندگی اس طرح بسر کرنی پڑتی ہے گویا کہ اس نے ان خوفناک استبعادات کے ایک نہ ایک پہلو کو قبول کر لیا ہے جن پر فلسفہ مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو اس امر کا تصفیہ کر لینا پڑتا ہے کہ آیا یہ زمین جس پر اس کی زندگی بسر ہو رہی ہے ایک ذی غایت عقل کی صنعت گری کا نتیجہ ہے یا ذرات یا سالمات کی کورانہ کشمکش کا آفریدہ یعنی خدا کے متعلق اس کا کوئی نہ کوئی نظریہ ہونا چاہیئے، خواہ یہ خدا کے وجود کے انکار ہی کی خاطر کیوں نہ ہو۔ اس کو اپنے ذہن میں اس امر کا تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ آیا وہ ایک خودرو مشین یا کَل ہے جو دوسری مشین سے ہم صحبت ہوتا ہے تاکہ چھوٹی مشینیں پیدا ہوں یا ایک قوتِ حیات کا ظہور، تخلیقی قوت و اختیار کا حامل یا نورِ الٰہی کی گریز پا شعاع! اس کو اپنے ذہن میں اس امر کا بھی فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ آیا عقل کی غیر یقینی قوتیں یا وجدان کی شاہانہ بداہت حقیقت کی رہنما اور صداقت کا معیار ہے۔ اسی طرح اخلاقی اقدار کے متعلق، اس کو اس امر کا تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ وفادار رہے گا، یا اپنی قوتِ مردانگی کو قیمتہً تقسیم کرے گا! اس کو اپنے نزدیک اس امر کا فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ آیا مرنے کے بعد اس کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے "خاکی است و بخاکش ہمی دہند" یا "چو دانہ خاک شگافد گلِ تر است" ایک اعلیٰ و ارفع زندگی میں داخل ہوتا ہے!

یہ تمام نہایت اہم مسائل ہیں اور فلسفۂ موت و حیات کا معاملہ ہے اور ان تمام مسائل کے متعلق فلسفے کا کٹر سے کٹر مخالف بھی اپنے ذہن میں کچھ نہ کچھ فیصلہ کر چکا ہوتا ہے، مثلاً وہ فرض کر لیتا ہے کہ مادیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح ہے، حقیقت کی تمام صورتیں، شجر وحجر، لطف وکرم، دعا وعبادت ــ سب مادی ہیں، ان کی مادی پیمایش ہو سکتی ہے۔ یہ ایک شاندار مفروضہ ہے، جس کی اختیاری تصدیق بالکل ناممکن، یہی مفروضہ اس کو فلسفی بناتا ہے اور اپنے اس فلسفے کو وہ قابلِ تعریف سادگی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ فرض کرلیتا ہے کہ دنیا ایک قسم کی میکانیت ہے، اور وہ خود ایک مشین ہے جو میکانکی اور غیر شعوری طور پر شعور کے زائد از ضرورت اور فضول ارتقا پر غور کر رہا ہے، دنیا کی ماہیت کے متعلق یہ بھی ایک نظریہ ہے جو اب تک ناقابلِ ثبوت ہی اور جب اس کو دمقراطیس، یا لکریٹیس یا ہابس یا لامتری پیش کرتے ہیں تو فلسفے کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ حیات میں خود اختیاری نہیں، ہستی کا ہر فعل اس ابتدائی ضبابہ (Nebula) نے متعین و مقرر کر دیا ہے جو سائنس کی صنیات میں "باغ عدن" کی جگہ ہماری سامعہ نوازی کرتا ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ ذہن مادہ ہے اور بہ قول و باستناد نیٹشے نعوذ باللہ خدا ایک عرصہ ہوا کہ مرچکا اور اس کی متعدد قبریں مساجد ومنادر میں بنائی جاچکیں۔

یہ سب ممکنہ مفروضات ہیں۔ ہر فلسفی ان کو یا ان کے مخالف مفروضات کو تسلیم کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ہم سب کو ان مفروضات کو تشکیل دینا اور ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ زندگی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اشیا کی ماہیت اور انسان کی غایت کے متعلق مفروضات کو تسلیم کریں، ہم ہمیشہ مفروضات کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں، مطلق کا "آزارِ جستجو" ہمارا "آرامِ جاں" ہوتا ہے، اس کی دلکشی ہمیں ہمیشہ اپنی طرف جذب کرتی ہے۔

علاوہ دوسرے وجوہات کے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ فلسفہ سائنس سے زیادہ دلچسپ اور دلکش ہوتا ہے، وہ دیارِ نامعلوم کا سفر ہے، لامحدود کی تلاش میں کوبہ کو، کوچہ بہ کوچہ سرگرداں ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں سائنس کی دلچسپی، ضرب کی تختی میں جو دلفریبی ہے، اس سے زیادہ نہیں!

لہٰذا ہم سب فلسفی ہیں، مابعد الطبیعاتی حیوان ہیں، ایک جو اعلاناً فلسفی ہے دوسرا جو اقراراً ایجابی ہو ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر ہی اس معاملے میں راست باز و راست گو آدمی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفے کی ترقی پر اعتراض

فلسفے پر ایک اعتراض عام طور سے کیا جاتا ہے کہ فلسفیانہ مباحث میں جس دروازے سے ہم داخل ہوتے ہیں اسی دروازے سے باہر بھی ہوتے ہیں، ہر فلسفی دوسرے فلسفی کے خیالات کا نقیض پیش کرتا ہے، تاریخ فلسفہ ان ہی تناقضات و نظری آرا، کا مجموعہ ہے جو کامیابی کے لحاظ سے مادّی علوم مخصوصہ کی ترقی سے کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حقیقت میں فلسفیانہ مباحث کے دوران میں یا تاریخ فلسفہ کے مطالعے کے وقت اگر ہم اپنا دماغ دروازے کے باہر چھوڑ کر جائیں تو بے شک اسی دروازے سے نکل آئیں گے جس دروازے سے کہ ہم داخل ہوئے تھے! اکابر فلاسفہ کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد بھی ہزارہا اہم مسائل کے متعلق ہم اپنے خیالات بدلے بغیر رہ نہیں سکتے۔ ہم خود فلاسفہ کے تناقضات کے متعلق بھی اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے اور پائیں گے کہ بنیادی مسائل کے متعلق تقریباً تمام اکابر فلاسفہ کا اتفاق تھا، اختلافات محض اپنے اپنے زمانے کے اصطلاحات و حدود کے فرق کی وجہ سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور نیز اگر ہم تاریخ سائنس کے طالب علم ہیں تو ہمیں بادی النظر ہی میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ فلسفے سے زیادہ سائنس میں نظریات و اعتقادات سینما کی متحرک تصاویر کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ سائنس کی تاریخ ہزارہا مسترد نظریات کی تاریخ ہے۔ مثال کے طور پر ہم چند عالمگیر اہمیت کے نظریات کا ذکر کریں گے۔

آج سے پچاس پچپن سال پہلے کائنات کے ابتدا کی توجیہ لاپلاس کے مفروضہ ضبابہ Nebula-Hypohesis. سے کی جاتی تھی۔ کانٹ فلسفی نے اس نظریے کو سب سے پہلے پیش کیا تھا، لاپلاس نے اس کی توضیح کی تھی، آج کل شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر چیمبرلین اور مولٹن نے اس کی توجیہ میں Planete-sional Hypothesis. پیش کی جو اول الذکر نظریے کی تردید کرتی ہے۔ پچاس پچپن سال پہلے ڈارون کی Origin of Species. یا اصل انواع، ارتقا کی انجیل سمجھی جاتی تھی۔ آج کل یہ دنیا بھر کے اعتراضات کا نشانہ ہے اور اس کی وقعت کا حال سب کو معلوم ہے! عمل ارتقا کی توجیہ تغیرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

. Variations کے بجائے "تحولات" Mutations. سے ہونے لگی، اب مسٹر کیامر پر کے ساتھ ہم لامارک کے نظریئے کو پھر قبول کرنے لگے ہیں۔ ببین تفاوتِ راہ!

نیوٹن نے حرکت کے بعض قوانین بتائے، دنیائے سائنس نے ان کو قبول کیا۔ اب آئنسٹائین (Einstein) ان کی تردید کر رہا ہے۔ مے یر، رم فورڈ، ڈے وی اور صدہا دیگر علمائے سائنس نے مادے کی غیر فنا پذیری اور بقائے توانائی کو ثابت کیا اور ساڈی، ردر فورڈ، پینکارے جدید سائنس کے ان انتہائی عقائد میں شک پیدا کر رہے ہیں۔ پیرسن، ماخ وغیرہ ہم سے کہہ رہے ہیں کہ سائنس کا علم تخمینی احتمالات کا موجز بیان ہے اور فطرت کے عدیم التغیر وابدی قوانین مادے کے مشاہدہ کردہ عادات کے اوسط کے سوا کچھ اور نہیں! بھلا ہم ایسی سائنس کی شان میں کیا کہیں جو فلسفے کی طرح غیر یقینی ہوگئی ہے اور فطرت کے علم کا کیا دعویٰ کریں جس کے قوانین اعداد و شمار کی سی وقعت رکھتے ہوں! کسی زمانے میں ریاضیات کو متیقن اور غیر خطا پذیر صداقتوں کا مجموعہ سمجھا جاتا تھا کہ ناگہاں ابعادِ ثلثہ صاحبِ اولاد ہوگئے، جزکل کے برابر بڑا ہوگیا اور آئنسٹائین (Ensteinـ) نے ثابت کر دیا کہ دو نقطوں کے درمیان ایک خطِ مستقیم بڑے سے بڑا فاصلہ ہے! فرانسس گالٹن اور کارل پیرسن کی تحقیقات کی رو سے ماحول کا اثر توارث سے زیادہ تھا۔ مسٹر ڈگم نے اس کے برخلاف بڑی شان سے دنیا کو یہ ثابت کر دکھلایا کہ توارث کا اثر ماحول کے اثر سے زیادہ ہے۔ اب ڈاکٹر واٹسن دو سو بچوں کا معائنہ کرنے کے بعد ہمیں اطلاع دے رہے ہیں کہ جنین اور بچے کا ماحول اس کی سیرت اور تاریخ کے تعین کا اہم جزو ہے اور توارث کا اثر نہایت خفی ہے اور آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ آئے دن ہر امیا ندار تاریخ داں ثابت کر رہا ہے کہ تاریخ "جھوٹ کا دریا ہے"[۵] ہر امیا ندار عالم مصریات Egyptologist سنین و سلسلہ ملوک کی ایک نئی فہرست پیش کرتا ہے جو دوسری فہرستوں سے چند ہی ہزار سال کا فرق رکھتی ہے۔

---

[۵] Voltaire.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائنس کے نظریات کے سریع التغیر ہونے کے ثبوت میں یہ مثالیں اہلِ بصیرت کے لئے کافی ہیں اعمال نامے کو طول دینے کی ضرورت نہیں! فلسفی کی نظروں کے لئے تو یہ خوش کن سرکس ہے! فلسفی ہونے کی حیثیت سے ہمیں اعتراف ہے کہ فلسفہ بعض جگہ تاریک ہے لیکن یہی حال شلی کی نظم کا ہے، یہی حال سائنس کا ہے، یہی حال جنسِ لطیف کا ہے، یہی حال ہر دلچسپ شے کا ہے! اس سے بدتر، ہم یہ بھی ماننے کیلئے تیار ہیں کہ فلسفہ بعض دفعہ کذاب بھی ہے۔ ہم اپنے قلب کے عزیز تعصبات کو، بڈھی عورتوں کی دینیات کو قطعی ویقینی دلائل کے لباس میں ملبوس کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک مشہور فلسفی براڈلے نے مابعد الطبعیات کی اس طرح تعریف کی ہے کہ "مابعد الطبعیات (فلسفہ) ان چیزوں کے لئے جن میں ہم جبلی طور پر یقین کرتے ہیں خراب حجتوں کا دریافت کرنا ہے، لیکن ان حجتوں کا دریافت کرنا بھی کچھ کم جبلی نہیں" لیکن باوجود ان تمام نقائص وخرابیوں کے سائنس کی طرح فلسفے کی رفتارِ ترقی بھی متعین اور شاندار رہے، گزشتہ پچیس سال میں فلسفے نے اسی سرعت وشان کے ساتھ ترقی کی ہے۔ جس طرح کہ سائنس نے۔ ولیم جیمس جیسے محتاط وسائنٹفک فلسفی کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:۔

"بعض حیثیتوں کے لحاظ سے تو "سائنس" نے "فلسفے سے کم ترقی کی ہے۔ یعنی اس کے اکثر کلی تصورات سے نہ ارسطو کو حیرت ہوگی اور نہ ڈیکارٹ کو اگر بفرضِ محال انھوں نے زمین کی سیر کا پھر ارادہ کیا۔ اشیار کا عناصر سے مرکب ہونا، ان کا ارتقا، بقائے توانائی، ایک کلی لزوم یا جبر کا تصور، یہ سب انھیں معلوم ومعتاد چیزیں نظر آئیں گی۔ ہاں چھوٹی موٹی چیزیں مثلاً بجلی کی روشنی، ٹیلیفون اور سائنس کے دیگر جزئیات ان کو ضرور مرعوب کریں گی۔ لیکن اگر یہ ہماری مابعد الطبعیات کی کتابیں کھولیں یا فلسفے کے لکچر روم میں آئیں تو ہر چیز انھیں جنبی سی معلوم ہوگی۔ ہمارے زمانے کا سارا "تصوری" یا "انتقادی" پہلو انھیں نیا معلوم ہوگا اور ان کے سمجھنے میں دقت محسوس ہوگی"

یہ ہے فلسفی کا جواب فلسفہ کے معترضین کی خدمت میں!

عرفی گلہ سر مکن کہ جائے گلہ نیست + توفیق رفیق ہر تنگ حوصلہ نیست + ہر جاہ کہ ہست یوسفی درے ہست + صاحب نظرے لیک بہر قافلہ نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم فلسفہ کیوں پڑھیں

آخر یابد ہر کہ زصد قش جوید　　تخمے کہ بجا فتاد آخر روید
گویند کہ ہر کہ یافت حرفے نہ زند　　نے نے غلط است ہر کہ یابد گوید　　(شاہِ بدخشی)

ہیگل کا قول ہے کہ "جس مہذب قوم کا فلسفہ نہیں اس کی مثال ایک عبادت گاہ کی سی ہے جو ہر قسم کی زیب وزینت سے آراستہ وپیراستہ ہے لیکن جس میں 'قدس الاقداس' ہی کا وجود نہیں" جس طرح ہر متمدن قوم کا ادب وفن ہوتا ہے، معاشری ومذہبی زندگی ہوتی ہے، اسی طرح اس کا فلسفہ بھی ہوتا ہے۔ مشرق میں اپنشدوں اور مغرب میں فلاطون کے زمانہ سے فلاسفہ کا یہ کام رہا ہے کہ نصب العینوں کی تشکیل کریں اور یہ بتلائیں کہ حیاتِ انسانی کے کن تجربات کو اہم یا مرکزی قرار دیا جائے اور اس طرح قوم کی رہبری کریں۔ فلسفہ زندگیوں کو بدلتا رہا ہے۔ اسی معنی میں یہ تخلیقی ہے۔ تہذیب عملی فلسفہ ہے۔ Acivilization is Practical Philosophy.

کن افادات کی بنا پر فلسفہ کو یہ رتبہ حاصل رہا ہے؟ ان ہی کی مختصر تشریح اس وقت گوش گزار کی جارہی ہے ع ہشدار کہ راہ خود بخود گم نہ کنی!

(۱) فلسفہ عملی ہے | اول قدم پر عام یقین کے خلاف ہم یہ بتلائیں گے کہ فلسفہ عملی ہے، نوالس نے کہا تھا کہ "فلسفہ کا کام روٹی پکانا نہیں لیکن وہ ہمیں خدا، آزادی اور حیات بعد الموت کا یقین دلاتا ہے" فلسفہ آپ سے مخاطبت کرتا ہے

یک دم غم جان بخور غم نان تا کے　　در پرورشِ این تنِ ناداں تا کے
اندر رہِ طبل شکم ونائے گلو　　این رقصِ زنخ بضربِ دنداں تا کے　　(رومی)

تن ناداں کی پرورش میں ہمہ تن مصروف ہو کر آپ اس سے انکار کیجئے۔ شک کے جنون میں خندہ زناں سے پوچھئے کہ کیا واقعی فلسفہ خدا آزادی وحیات بعد الموت کا یقین دلاتا ہے؟ بس بس ع درخود نگر دفضولی آغاز مکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا فخر رازی نے یہ اعتراف نہیں کیا تھا کہ ؎

ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز　　معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد!

ہاں فلسفہ ہمیں ان چیزوں کا یقین عطا نہیں کرتا، جو چیزیں ہمیں آسانی سے ملتی ہیں ہم ان کی قدر بھی تو نہیں کرتے! فلسفہ کا کام روٹی پکانا نہیں، لیکن یہ روٹی پکانے والے کی زندگی میں نئے معنی ضرور پیدا کرتا ہے اور خود روٹی پکانے کو اہمیت بخشتا ہے۔ کوتاہ و تنگ نظر افادی مقاصد، مادی منافع، فلسفہ کے محرک ہیں اور نہ کبھی رہے ہیں۔ تاہم گلبرٹ چسٹرٹن کے اس قول میں ایک صداقت پنہاں ہے کہ "ایک لانڈ لیڈی کے لئے جو کسی کرایہ دار کو اپنے مکان میں رکھنا چاہتی ہے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کرایہ دار کی آمدنی کیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ضروری یہ جاننا ہے کہ اس کا فلسفۂ حیات کیا ہے؟"

اگر انسان کی زندگی کے لئے صرف روٹی ہی ضروری اور کافی ہے، اگر رقص زنخ و ضرب دنداں ہی کو وہ مشغلۂ حیات سمجھتا ہے تو پھر وہ صاف طور پر بغیر شرم و حیا کے کیوں نہیں پوچھتا کہ شاعری و موسیقی اور رنگا رنگ کے پھولوں کا کیا عملی فائدہ ہے؟ ان سے وہ کیوں محظوظ ہوتا ہے؟ موجودہ تمدن کی تن آسانیوں کے باوجود انسان کا ذہن حیرت و محبت سے مہیج ہوتا ہے اور صداقت، جمال اور خیر کا شیفتہ و فریفتہ ہے، اور یہی فلسفہ کے اقدار ہیں۔

لیکن ذرا اس امر کی تحقیق تو کیجئے کہ ہم کسی چیز کو عملی کیوں کہتے ہیں اور کب کہتے ہیں؟ وہ کیا خصوصیات ہیں جن کی بنا پر وہ عملی کہلاتی ہے؟ بلاشبہ ہم عملی کے معنی کو صرف روپیہ کمانے کی قابلیت ہی کی حد تک محدود نہیں کرسکتے، گو ہمارا یہ یقین ہے کہ فلسفہ اس قابلیت میں کسی قسم کا نقص نہیں پیدا کرتا بلکہ انسان کو ایک مرفہ الحال جماعت کا رکن بنانے میں مدد کرتا ہے۔ لیکن فلسفہ کی حقیقی عملیت کے ایک اور معنی ہیں فلسفہ عملی ہے اسلئے کہ وہ

(۱) تمام مسائلِ زندگی پر غور و فکر کرنے کی عادت پیدا کرتا ہے۔

(۲) تمام اشیاء، واقعات، تجربات اور اشخاص کو ان کے تمام علائق و اعتبارات میں دیکھکر سمجھنے میں مدد دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) ہمارے مقاصد و غایات، ہماری تعلیم، صنعت و حرفت، حکومت و مملکت، اخلاق و آداب و مذہب پر کامل و متوافق طور پر غور و فکر کرنے پر ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے۔

(۴) حیات انسانی کے معنی اور اس کی قدر و قیمت کے متعلق ایک عزت بخش نظری تصور قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ زندگی پر جب بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو یہ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرد کو جماعت یا معاشرہ میں ایک پاک و صاف و کار آمد زندگی بسر کرنی چاہیے۔ شہری ہونے کی حیثیت سے وہ محض روپیہ کمانے کی مشین نہیں بلکہ وہ ایک شوہر بھی ہے اور باپ بھی، وہ ایک ہمسایہ ہے جو نظم و قانون، صحتِ عامہ، مکانات کے حسن و آسائش اور نئی پود کی صحت اخلاقی سے گہری عملی دلچسپی رکھتا ہے۔ ان چیزوں سے عقلی دلچسپی رکھنا زندگی پر من حیث کل نظر ڈالنا ہے اور یہی فلسفہ ہے۔ سقراط نے ہمیں تنبیہ کی تھی کہ "جس زندگی کا نظر غائر سے امتحان نہ کیا گیا ہو وہ زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں"۔ اب انسان ہونے کے معنی عملی ہونے کے ہیں اور عملی ہونے کے معنی زندگی کی غایات و اقدار اور ان کے حصول کے ذرائع پر غور و فکر کرنے کے ہیں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کا مشہور فلسفی شلر کہتا ہے کہ "یہ نہایت جرأت کے ساتھ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ نہجِ فکری اپنی بدایت و ماہیت کے لحاظ سے بالکلیہ عملی ہے۔ فلسفہ کے انتہائی مسائل وہی ہیں جو زندگی کے عملی مسائل کے نتائج تک پہنچنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق اس نظریہ سے ہے جس کی توثیق ہر عمل کو کرنی چاہیے"

(۲) فلسفے کے مختلف شعبے خود مفید ہیں

فلسفے کے مختلف شعبوں پر نظر ڈالو تو تمہیں خود ان مسائل و اغراض کے مفید ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

مثلاً منطق استدلال کے اصول سے بحث کرتی ہے۔ وہ صحیح انتاج کے شرائط کا معاملہ کرتی ہے۔ کیا ہم سب فکر و استدلال کے معاملہ میں غیر محتاط و متناقض واقع نہیں ہوئے ہیں؟ کیا ہمیں کسی دائرہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے یا کسی معاملہ میں عملی طور پر کامیاب ہونے کے لئے تفکر و استدلال میں متوافق ہونے کی ضرورت نہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان مسائل سے کوئی دوسرا مضمون بحث نہیں کرتا۔

اخلاقیات حیاتِ اخلاقی کے اصول و معیارات سے بحث کرتی ہے" مفتاح خزاین سعادت دنیوی" پیش کرتی ہے، راہِ عمل سجھاتی ہے، نیکی کی طرف لیجاتی، آدمیت کو "لحم و شحم و پوست" پر مشتمل نہیں قرار دیتی بلکہ "رضائے دوست" اصل انسانیت قرار دیتی ہے۔ دیکھو اس رباعی میں اخلاق کے کیا گُر بیان ہوئے ہیں۔

با نفس جہاد کن شجاعت ایں است   بر خویش امیر شو امارت ایں است

انگشت بہ حرفِ عیب مردم مگذار   مفتاحِ خزائنِ سعادت ایں است

کیا یہ انسان کو حقیقی معنی میں عملی اور کامیاب بنانے کیلئے کافی نہیں اور کیا ان کی ہر فرد بشر کو ضرورت نہیں؟

فلسفۂ معاشرت حیاتِ انسانی کے ان غایات و اقدار سے بحث کرتا ہے جن کا تحقق حیات معاشری و ادارات مدینہ میں ہوتا ہے جس کے علم کے بغیر زندگی حقیقی معنی میں کامل نہیں ہوتی۔ علمیات یا نظریۂ علم فکر کے شعوری و غیر شعوری مفروضات کا امتحان کرتا ہے۔ مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشیاتی و تعلیمی ادبیات پر خامہ فرسائی کرنے والے اور نیز علمار سائنس نہ اتنی فرصت رکھتے ہیں اور نہ انھیں اس قدر دلچسپی ہوتی ہے کہ ان تجریدی معاملات کا امتحان کریں خصوصاً شاعری ایسے تصورات سے مملو ہوتی ہے جن کے تضمنات و مدلولات کا امتحان ضروری ہوتا ہے۔ مابعد الطبعیات کائنات زندگی کا ایک جامع نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ اور فلسفہ کے دوسرے شعبے ان سوالات کی تحقیق کرتے ہیں جن کے اٹھانے پر عقلِ انسان مجبول و مجبور ہے۔ تہذیب کی ساری تاریخ میں، قدیم اہلِ یونان سے لے کر ہمارے زمانہ تک، انسان نے ان مسائل کی تحقیق میں بے اندازہ سرور حاصل کیا ہے، اور اس تحقیق سے جو بصیرت حاصل ہوئی ہے وہ اس کی آرام جاں ثابت ہوئی ہے۔ اس کی دلکشی ہمیں ہمیشہ اپنی طرف جذب کرتی رہی ہے، فلسفہ سائنس سے زیادہ دلچسپ اور دلکش ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں سائنس کی دلچسپی ضرب کی تختی میں جو دل فریبی ہے اس سے زیادہ نہیں!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) فلسفہ علم کو جامعیت بخشتا ہے

فلسفہ علم میں وحدت پیدا کرتا ہے۔ حیاتِ فکری میں وحدت پائی جاتی ہے۔ لہذا علم میں بھی وحدت ضروری ہے۔ عقل نظریات میں توافق وجامعیت کی متلاشی ہوتی ہے اسی کی تشفی کرتے ہوئے فلسفہ زندگی کے تمام مخصوص اغراض میں رشتۂ وحدت کا جویا ہوتا ہے۔ سائنس Science (علوم) انسان وعالم کے متعلق واقعات نظریات وقوانین کا توضیحی وعلمی بیان پیش کرتے ہیں۔ یہ محض طریقے اور راستے بتلاتے ہیں، فلسفہ ان کے برخلاف ترکیبی وتوجیہی واقع ہوا ہے، یہ زندگی کے وسیع تر غایات و مقاصد واقدار سے بحث کرتا ہے، یہ ہمیں اقدار کی دنیا میں لیجاتا ہے۔ جب غایات واقدار پر غور وفکر کر لیجاتی ہے، عام اصول کا استحکام ہوجاتا ہے تو ہر زندگی کے ہر عملی قدم پر رہبری وہدایت کا چراغ ضیاپاشی کے لئے ہمارے سامنے موجود رہتا ہے۔

(۴) فلسفہ ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ کس چیز کے متعلق سوال کریں اور سوال کس طرح کریں۔

بعض دفعہ فلسفہ کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ فلسفہ نہ کسی مسئلہ کو حل کرتا ہے اور نہ کسی سوال کا قطعیت کے ساتھ جواب دیتا ہے سائنس کے برخلاف جو ضروری اور اہم سوالات کے مخصوص جواب دیا کرتی ہے۔ فلسفہ محض سوالات کو اٹھاتا ہے اور جواب کسی کا نہیں دیتا ہے

آں قوم کہ راہ بیں فتادند شدند　　کس را بہ یقیں خبر نہ دادند شدند
آں عقدہ کہ ہیچ کس ندانست کشاد　　ہر یک بندے برآں نہادند شدند　　(طوسی)

ذرا توقف کیجئے اور ایک وقت میں ایک سوال کیجئے۔ کیا آپ کسی ایسی سائنس کا نام بتلاسکتے ہیں جس نے کسی بھی اہم سوال کا یقینی وقطعی جواب دیا ہو؟ سائنس کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح سائنس میں نظریات واعتقادات سنیما کی متحرک تصاویر کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ سائنس کی تاریخ ہزارہا مسترد نظریات کی تاریخ ہے۔

اسی خوش کن سرکس کو نظروں کے سامنے رکھکر نورنٹشے نے کہا ہے کہ "دنیا میں کوئی شے اتنی سریع الزوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باگر نیپا نہیں جتنی کہ سائنٹفک تھیوری (حکیمانہ نظریہ) اور نہ ہی کوئی شے اتنی فرسودہ پھپوند بھری، متعفن اور سڑی جتنی کہ پرانی سائنٹفک تھیوری۔ علما، سائنس فلسفیوں پر یہ کہہ کر طعن کرتے ہیں کہ اس پیشہ کے لوگ ایک دوسرے کی تردید کرتے رہتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ طعن علمار سائنس پر بھی اتنا ہی صحیح ہے۔ اسی لئے ان دونوں پختہ کار بالغ نظر علمار سائنس اپنے بیان میں نہایت محتاط اور متواضع واقع ہوئے ہیں۔ ان کو علم ہے کہ علوم ایجابیہ (Sciences.) بھی زیادہ سوالات اٹھاتے ہیں اور بہت کم کا جواب دیتے ہیں۔ علوم ایجابیہ واقعات کو جمع کرتے ہیں اور ان پر قوانین و نظریات کو مرتب کرتے ہیں۔ اور ان ہی اعلیٰ تعمیمات کے متعلق علمار سائنس ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ صورتِ حال وہی ہے جس کی توقع کی جانی چاہیئے، چونکہ انسان کو تمام واقعات کا علم نہیں لہٰذا مسائل کے حل میں مختلف علمار مختلف مفروضات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اختلاف آرار لازمی نتیجہ ہے۔ اسی معنی میں فخر رازی کے ان اشعار کو لیجئے جن میں سے ایک شعر کا ادھر بیان ہوا۔

ہرگز دلِ من زعلم محروم نشد　　کم اند اسرار کہ مفہوم نشد !

ہفتا دو دو سال فکر کردم شب و روز　　معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد !

سائنس و فلسفہ دونوں کی تاریخ انسان کے علم کے ناقص و ناکامل ہونے کو بتلا رہی ہے۔ حقیقت انتہائی کے علم کے متعلق ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ؎

نہ عقل بہ سرحد کمال تو رسد　　نہ جاں بہ سراچۂ وصال تو رسد

گر جملۂ ذرّاتِ جہاں دیدہ شود　　ممکن نہ بود کہ در جمالِ تو رسد (عطّار)

لیکن سائنس اور فلسفہ کے متخالف و متضاد مسلک ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور تحقیق و تدقیق کو ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ فلسفہ بھی سائنس کی طرح انسان کے علم کی کمیت و کیفیت میں اضافہ کر رہا ہے۔ وہ انسان کی فہم کو جلا بخش رہا ہے، روشن کر رہا ہے اور دنیا کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دے رہا ہے۔

فلسفہ کی ناکامیوں کو ماننے کے باوجود (جو سائنس کی ناکامیوں کی طرح قابلِ شرم ہیں!) ہم کہتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفہ اپنے وجود کو حق بجانب ثابت کرتا ہے اور اپنے طالب علم کو 'دیدۂ بینا' عطا کرتا ہے اگر وہ صرف یہ سکھلاتا ہے کہ عقلی طور پر کون سے سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ بقول پروفیسر کالکنس کے "اگر فلسفہ استنطاق کے سوا کچھ نہیں تو یہ کم ازکم ہمارے سوالات کو متشکل کرتا ہے، ان کو ایک دوسرے سے متوافق بناتا ہے، بلفظِ واحد ہم کو عقلی سوالات پیدا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ جاننا اچھی چیز ہے، لیکن یہ بھی جاننا کہ ہم جانتے کیوں نہیں ایک قسم کا فائدہ ہے۔" برٹرنڈرسل کے اس قول میں صداقت بھری ہے کہ "دراصل فلسفہ کا فائدہ زیادہ تر اس کی حیرت و عدم یقین ہی پر مشتمل ہے۔ جس شخص کی خمیر میں فلسفہ کی آمیزش نہیں اس کی زندگی ایسے زندان میں بسر ہوتی ہے جس کی کچھ تیلیاں تو فہم عام کے تعصبات نے گھڑی ہیں، کچھ اس کے زمانہ اور قوم کے اعتیادی تیقنات نے، اور کچھ ان اذعانات نے جو اس کے ذہن میں بغیر عقل وفہم کے اشتراک ورضامندی کے پیدا ہوئے ہیں۔ ایسے آدمی کے لئے دنیا محدود متعین و واضح ہو جاتی ہے۔ عام اشیا اس کے ذہن میں کوئی سوال پیدا نہیں کرتیں اور غیر مانوس امکانات کو وہ حقارت کے ساتھ رد کر دیتا ہے" بقول براوننگ کے اس قسم کے لوگ ان حیوانات کے مانند ہوتے ہیں جن کی محدود مٹی میں شک کی مستنیر شعاعیں اپنی تابناکیاں نہیں دکھلاتیں"! فلسفہ مانوس اشیاء کو نامانوس لباس میں پیش کر کے ہمارے احساس تحیر کو ہمیشہ زندہ رکھتا ہے" فلسفہ کی سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ وہ ہمارے مفروضات وظنیات سابقہ سے ہمیں واقف کرتا ہے اور ان پر شک کرنا سکھلاتا ہے۔

اسی معنی میں کانٹ نے کہا تھا .... There is no Philosophy, There is only Philosophising. (فلسفہ نہیں تفلسف اصل شے ہے!" ہمیں علم کی خواہش ہے، کامل ومکمل صداقت کے ہم جویا ہیں، لیکن سوچو تو 'سعی' میں بھی اتنی ہی لذت ہے جتنی حصول میں! غالب کے دل سے اس لذت کو پوچھو جو اس کی "سعی لاحاصل" میں تھی! بوعلی سیناؔ کی طرح ہم بھی کہیں گے۔

دل گرچہ دریں بادیہ بسیار بشتافت ... یک موئے نہ دانست و نے موئے شگافت
اندر دلِ من ہزار خورشید بتافت ... وآخر بکمال ذرّہِ راہ نیافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفہ گو "کمالِ ذرہ" تک پہنچ نہ سکا (اور سائنس کب ذرہ کی ماہیت سے واقف ہے) لیکن دل تو تفلسف و تفکر کی وجہ سے ہزار خورشید تاباں کی طرح چمک اٹھا!

(۵) فلسفہ فرد کو کائنات میں اپنی جگہ پہچاننے میں مدد دیتا ہے۔

فرد کا فطرت میں کیا مقام ہے؟ میں کون ہوں ع سرگشتہ بہ عالم زپے چیستیم؟ انسان حیوانات سے وابستہ بھی ہے اور اپنی عقل و فکر کی وجہ سے ان سے ممیز بھی کیا ہی تعجب کی بات ہے کہ وہ دوسرے حیوانات کی طرح قوانین جبر کے ماتحت بھی ہے اور صداقت، حسن و خیر کا جویا و متلاشی بھی۔ سوائے فلسفہ کے ان عمیق مسائل پر کوئی علم روشنی نہیں ڈالتا۔

طبیعی علوم دوربین اور خوردبین کی مدد سے مکان کے حدود کو پیچھے ہٹاتے جا رہے ہیں اور نئے عوالم کا انکشاف کر رہے ہیں۔ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ہمارا یہ سیارہ (زمین) جس پر ہماری بود و باش ہے اپنے آفتاب سمیت جو ایک قریب الموت ستارہ ہے، کروڑہا ستاروں، آفتابوں اور سیاروں میں ایک ناچیز ذرۂ خاک ہے، تو انسان کے قد و قامت ڈیڑھ دو گز کتنے حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہی مخلوق قوۃ فکر رکھتی ہے احساس و تخیل کی قابلیت رکھتی ہے اور ان کی مدد سے اجرام سماوی کی عظیم الشان ترتیب پر غور کرتی ہے اور زمین کے نباتی و حیوانی عجائبات پر سر دھنتی ہے تو ہر انسان کی عظمت و وقعت مبرہن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پاسکل نے کہا تھا "انسان محض ایک نئے کے مانند ہے، فطرت کی کمزور ترین نئے، لیکن وہ فکر کرنے والی، سوچ بچار کرنے والی نئے ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ساری کائنات اس کو کچلنے کے لئے اسلحہ بند ہو جائے، ہوا کا ایک جھونکا، پانی کا ایک قطرہ اس کے مارنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر کائنات انسان کو کچل بھی ڈالے تب بھی انسان اپنے مارنے والے سے زیادہ شریف ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ مر رہا ہے اور کائنات کو اس برتری کا کوئی علم نہیں جو اس کو انسان پر حاصل ہے"۔ اس طرح کائنات میں اپنی حیثیت و منزلت سے واقف ہونا نفس کو قوی بناتا ہے، انسان کی زندگی کو گرانقدر و باوقعت قرار دیتا ہے۔ مشاہدہ و قوتِ فکر کی وجہ سے انسان (اگر جزی طریقہ ہی سے ہے) یہ سمجھتا ہے کہ یہ عظیم الشان کائنات ایک نظام رکھتی ہے، قانون و ہم آہنگی کی اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت ہے اور انسان اس کا ذی علم ناظر ہے۔

علاوہ ازیں فلسفہ انسان کو اس پیچیدہ ومرکب نظامِ معاشرت میں اپنی جگہ کے پہچاننے میں مدد دیتا ہے خود معاشرت کی ترکیب کئی متداخل اداروں سے ہوئی ہے جن میں ہم خاندان، حکومت، مذہبی محکموں، اور صناعی اداروں کا ذکر کرسکتے ہیں۔ فرد کو موجودہ زمانے کی اس پیچیدہ معاشرت میں حصہ لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نظامِ معاشرت من حیث کل کا ایک صاف واضح اور اجاگر تصور ذہن میں رکھے اور متقابلہ معاشری اقدار سے واقف ہو۔ فلسفۂ معاشرت اس مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ فرد کو اچھی طرح شہری بننے کے قابل بناتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہم تحقق ذات کو بلند ترین اخلاقی غایت قرار دیں جو دوسرے نفوس کے باہمی اشتراک کی وجہ سے ممکن ہوتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس غایت کے حصول کے لئے دنیا اور زندگی کا ایک جامع اور متنوع علم ضروری قرار پاتا ہے۔ انسان کی برترین مسرت اور اس کی ترقی وتکمیل ان اشیاء واقعات و اعمال کے جاننے اور ان کی قدر کرنے پر منحصر ہوتی ہے جن کے درمیان اس کی زندگی بسر ہورہی ہے۔ اس کی ذات، فکر، احساس وعمل، اس کے وجود کی ساری قدر واہمیت، اپنا سارا مواد یہیں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کی اخلاقی، مذہبی اور جمالیاتی فطرت کا کمال وتحقق خارجی دنیا ہی کی مخالطت ومصاحبت سے ممکن ہے۔ انسان جسقدر زیادہ اپنی ذات سے واقف ہوتا جارہا ہے، اسی قدر زیادہ اس کو صاف طور پر معلوم ہورہا ہے کہ اس کی ذات کا تحقق فطرت ومعاشرت کے ساتھ ارتباط واتصال ہی سے ممکن ہے۔ انسان کی زندگی خلا میں نشو ونما نہیں پاسکتی فلسفہ نہ صرف تحقق ذات کے معنی کی توضیح وتعریف کرتا ہے بلکہ اس کے حصول کے طریقے بھی بتلاتا ہے۔

فلسفہ اپنے طالب علم کا تعارف بنی نوعِ انسان کے عظیم الشان مفکرین اور ذہنی قائدین سے کراتا ہے ان تخلیقی ذہنوں کی صحبت سے زیادہ شخصیت انسانی کو مالا مال بنانے میں کوئی شے مؤثر نہیں۔ فلاطون نے کہا تھا کہ "دنیا میں چند ایسے ملہم وجود ہیں جن کی صحبت بے بہا ہے۔" مولانائے روم فرماتے ہیں ؎

خواہی کہ دریں زمانہ فردے گردی یا در رہِ دیں صاحب دردے گردی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایں رہ بجز از صحبت مرداں مطلب   مردے گردی چو گرد مردے گردی

فلسفہ انسان کو اس مجلس میں پہنچاتا ہے جہاں سقراط، افلاطون، ارسطو و اپیکیورس، فلاطینوس، سینٹ اگسٹائین، ٹامس اکوینیاس، ابن سینا، غزالیؒ، ابن رشد، ڈیکارٹ، اسپنوزا، بارکلے، ہیوم، کانٹ و ہیگل، اسپنسر و ولیم جیمس، شلی و کیٹس اور گوئٹے، باخ اور واگنر، خنداں پیشانی کے ساتھ ہمیں خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں، اور ہم جب تک سننے پر راضی ہوں ہم سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہیں۔ خدائے لایزال کے اس شہر میں جہاں یہ مجلس آراستہ ہے لامتناہی خزائن ہمارے سامنے بکھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں صرف آگے بڑھ کر ان سے مالا مال ہونا ہے۔

(۶) فلسفہ ہمیں جمالیاتی لذت بخشتا ہے

فلسفہ ایک نہایت اہم معنی میں اپنی غایت آپ ہے۔ لذتِ جمال کی طرح فلسفیانہ غور و فکر اپنی آپ منزل ہے۔ فلسفہ کی نظری قیمت کے لئے حجت و استدلال پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے یہ ثابت کرنا کہ انسان کو حصول صحت کی کوشش کرنی چاہیئے، سیرت اخلاقی کی تکمیل کرنی چاہیئے، شعر پڑھنا اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا چاہیئے۔ جو لوگ ان تجربات و اقدار سے واقف نہ ہوں وہ حجت سے قائل نہیں ہو سکتے۔ ان کی اصلی قیمت شخصی و باطنی ہوتی ہے، ان کی قدر و قیمت کا احساس دوسروں میں پیدا کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ افلاطون کسی جگہ خیر و صواب کے افادی پہلو پر روشنی ڈالتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ جن لوگوں میں یہ صفات موجود ہیں" ان کی ہستی زیادہ حقیقی ہوتی ہے" ارسطو شہرت اور دنیوی معاملات میں حصہ لے کر ذات کی تکمیل و تحقق کے جذبہ کو سراہتا ہے، لیکن ایک صحیح معنی میں تعلیمیافتہ شخص کی فکری زندگی کو حیات کی اعلیٰ ترین غایت قرار دیتا ہے۔ اسپنوزا کو "خدا کی عقلی محبت" میں اور صوفی کو صداقت، خیر و جمال کی بصیرت سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ کس طرح ظاہر کی جا سکتی ہے؟ برٹرنڈرسل جب دنیائے معاشرت کے اختلال و اضطراب، شر و فساد سے ہٹ کر ریاضیات و منطق کے دائمی حقائق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو جو سکون راحت و طمانیت حاصل ہوتی ہے وہ صوفی کے غایت سرور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرطِ حظ سے زیادہ مختلف نہیں۔

(۷) فلسفہ ہماری سیرت و شخصیت کو قوی کرتا ہے

فلسفہ ہمیں وحدتِ ذہنی عطا کرتا ہے۔ آپ ہم سب فکر کے عمل میں غیر محتاط اور متناقض ہوتے ہیں، ہمیں بڑی حد تک توافق و تطابق کی ضرورت ہے۔

فلسفیانہ تعلیم ہمیں فکری وحدت بخشتی ہے، اس وحدتِ ذہن یا وحدتِ فکر سے ہماری خواہشوں میں وحدت پیدا ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے سیرت میں وحدت پیدا ہوتی ہے جو شخصیت کا دوسرا نام ہے، اور سیرت کی وحدت کی وجہ سے زندگی میں وحدت پیدا ہوتی ہے جو مسرت کا راز ہے اور جو ہم میں سے سب کی غایتِ قصویٰ ہے۔ خوش باشوں کے شہنشاہ اپیکورس نے دو ہزار سال قبل اپنے ایک دوست کو خط لکھا تھا جس میں وہ کہتا ہے۔

"کسی شخص کو جب تک وہ جوان ہے فلسفیانہ تعلیم حاصل کرنے میں دیر نہ کرنی چاہئے، اور اگر وہ ضعیف ہے تو اس کو اس تعلیم کے حصول میں تھکن نہ ظاہر کرنی چاہئے، کیونکہ وہ کون شخص ہے جو اپنی روح کی صحت کے علم کو حاصل کرنے میں وقت کی موزونیت و ناموزونیت اور تاخیر کا خیال کرے گا؟ اور جو شخص یہ کہتا ہو کہ فلسفہ سیکھنے کا ابھی وقت نہیں آیا یا وہ وقت گزر چکا تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو یہ کہتا ہو کہ ابھی مسرت کا وقت نہیں آیا یا وہ گزر گیا" [۱]

فلسفیانہ تعلیم سے انسان اپنے جذبات کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے، جذبات کی غلامی سے آزادی حاصل کرکے دوسروں کی غلامی سے نجات پاتا ہے، اپنی ذات کے شریف تر جوہر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

در بستر آرزو غنودن تا کے   تا کے مرہونِ نفس بودن تا کے
یکبار بہو ہم سرے بالا کن   بر درگہ خلق جبہ سودن تا کے
(منصور و معانی)

روما کے ایک جادو بیان کے الفاظ میں ہم فلسفہ کو مخاطب کرکے کہہ سکتے ہیں۔

"اے فلسفہ کی روح، اے ہماری زندگی کی رہنما، نیکی کی دوست اور بدی کی دشمن، تیرے بغیر ہم کیا اور ہماری زندگی کیا (مسعو)

---

[۱] دیکھو ایم. بیکول کی کتاب *Source Book in Ancient Philosophy page 269.* (چارلس اسکرینرس سنس ۱۹۰۷ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفہ کی دشواریاں

اسرارِ وجود خام و آشفتہ بماند — واں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس زسرِ قیاس حرفے گفتند — واں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند
(بو علی سینا)

فلسفہ اپنے بیشمار فوائد اور خوبیوں کے باوجود مشکل ضرور ہے، باوجود اپنی گوناگوں دلچسپیوں کے فلسفہ کا مطالعہ آسان نہیں۔ مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زندگی میں کوئی شے بھی بے کاوشِ جان نہیں ملتی۔ "بے خون پیئے لقمہ تر کسی کو نہیں ملتا" اور "بے خاک کے چھانے زر کسی کو نہیں حاصل ہوتا! فلسفہ کی ان ہی بعض مشکلات کا یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ "یک تنقیۂ دماغ می باید کرد!"

(۱) فلسفے کی اصطلاحات دقیق ہوتی ہیں

فلسفہ، بلکہ ہر سائنس کی اپنی مخصوص زبان اور اپنی مخصوص اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ کسی مضمون میں مہارت حاصل کرنے کے لئے ہر طالب علم کو اس مضمون کی اصطلاحوں سے اچھی خاصی کشتی لڑنی پڑتی ہے۔ فلسفے کی اصطلاحیں دقیق ضرور ہیں، لیکن کس سائنس کی مصطلحات دقیق نہیں ہیں؟ فلسفے کو اعلیٰ و لطیف افکار کی ترجمانی کے لئے مخصوص و متعین زبان کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اور یہ زبان سوداسلف، لین دین کی زبان تو ہو نہیں سکتی، لازماً علمی و اصطلاحی زبان ہوگی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض دفعہ یہ غیر ضروری طور پر گراں و ثقیل ہوتی ہے، جیسے فلاطینوس، کانٹ، فشٹے اور ہیگل کی تصانیف عسیر الفہم زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے برخلاف فلاطون، شوپنہور، بارکلے، ہیوم، جان اسٹوارٹ مل، ہنری برگساں، ولیم جیمس، برٹرنڈ رسل، جارج سنٹیانا کی تصنیفات صاف شفاف اور خوشگوار ہیں۔ اصطلاحات کے بارے میں فلسفیوں کی بعض اور خصوصیات کی وجہ سے طلبہ کو فلسفہ کے سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے[۱]

---

[۱] ڈی ایس رابنسن نے اپنی کتاب An Introduction to Living Philosophy From Page 30 to 37. اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں "مقدمہ فلسفہ حاضرہ" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفی روزمرہ کے الفاظ کو خاص اصطلاحی معنی میں استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ طالب علم تو ان الفاظ کے وہی معنی لیتا ہے جو اس نے روزمرہ کے استعمال میں سیکھے ہیں اور اس طرح وہ فلسفی کے حقیقی معنی و مفہوم کے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے مثلاً پروفیسر وائٹ ہڈ، جو زمانۂ موجودہ کا ایک مشہور فلسفی ہے، اپنی تصانیف میں "حادثہ" (*Event*) کا لفظ استعمال کرتا ہے جو اس کے فلسفے کا سنگِ زاویہ ہے اور جس کے معنی نہایت اصطلاحی ہیں۔ اس میں شک ہے کہ فلسفہ کے بعض اساتذہ نے بھی صاف طور پر سمجھا ہے کہ وائٹ ہڈ کی اس سادہ لفظ سے کیا مراد ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بھی شک کرنے کی گنجائش ہے کہ خود وائٹ ہڈ بھی جانتا ہے کہ درحقیقت اس لفظ سے وہ کیا تعبیر کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ خود اس کا فلسفہ ابھی خام حالت میں ہے اور جوں جوں وہ پایۂ تکمیل کو پہنچا جا رہا ہے ڈاکٹر وائٹ ہڈ 'حادثہ' کے لفظ کے مفہوم کو بدلتے جا رہے ہیں۔ اب اگر طالب علم 'حادثہ' کے عام معنی لے تو وہ اس فلسفی کی بحث کو کیا خاک سمجھ سکتا ہے؟ اسی طرح ہم بیشمار مثالیں ہم عصر مصنفین و عہدِ ماضی کے اکابر فلاسفہ کی تصنیف سے پیش کر سکتے ہیں۔ اس وجہ سے فلسفہ کے طالب علم کا ایک اہم فرض یہ دریافت کرنا ہوتا ہے کہ فلسفی نے معمولی الفاظ کو کن اصطلاحی معنی میں استعمال کیا ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے فلسفی کسی ایک مخصوص لفظ کو دوسرے سلسلہ میں خاص معنی پہنائیں جو کسی اور فلسفی کے استعمال سے بالکل مختلف ہوں۔ فلسفہ کا ہر مسلک ایسے مخصوص اصطلاحی لغات کا استعمال کرتا ہے جن کو دوسرے مسلک کے فلاسفہ اختیار نہیں کرتے الّا اس صورت کے جب ان کو مخالفین کی آرا کا ذکر کرنا پڑے اسی ایک واقعہ نے بہتوں کو فلسفہ سے متنفر کر دیا ہے اور وہ اس کو محض لفاظی اور تجریدات کا گورکھ دھندا قرار دیتے ہیں۔ لیکن سوچو تو یہ حکم ان کی زود رنجی بلکہ بزدلی پر دلالت کرتا ہے اور فلسفہ کا اس میں زیادہ قصور نظر نہیں آتا جیسا کہ آپ خود فلسفہ کے موضوعِ بحث کی اہمیت سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فلسفہ بازاری زبان تو استعمال نہیں کر سکتا اور جب تک معمولی الفاظ میں نئے معنی نہ پیدا کرے وہ اپنے عمیق افکار کو ادا نہیں کر سکتا۔ زبان کا دامن اسقدر تنگ ہے!

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com